''نیا قانون'' گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تناظر میں

ڈاکٹر گلشن طارق
ڈین آف لینگویجز
لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Manto enjoys a very high status in terms of Urdu short story writing. He had a difficult life. He was blessed with the ability to have deep observation. The bitter experiences of life turned Manto into a great short story writer. He had the ability to grasp the reality. His wisdom could instantly judge a person's character. He was never reluctant to present reality. That's why he had to encounter social difficulties. He was also held accountable by the law because of his practice of fiercely presenting truth. His short story, 'The New Constitution' depicts the life experiences of working class. The protagonist of this story condemns GOIA 1935. This act is presented as a mere illusion to the Indians which could not reform their lives. The news of the enforcement of this Act made Indians particularly Muslims quite hopeful about their future. It ignited a hope in the hearts of the poor that they might get rid of their miserable life controlled by the British. The Indians waited, impatiently, for the enforcement of this Act. It was only after the imprisonment of the protagonist, after a quarrel with an Englishman, that he realized the grave reality that this New Constitution was nothing but a mirage.

اردو افسانہ نگاری کی دنیا کا ایک بڑا نام سعادت حسن منٹو ۱۱ مئی ۱۹۱۲ء کو لدھیانہ کے ایک موضع سمبرالہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک معزز کاشمیری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ منٹو کے والد نے دو شادیاں کیں۔ ان کی والدہ ان کی دوسری بیوی تھی۔ ان کے گھر کا ماحول کچھ خوشگوار نہ تھا۔ منٹو کی والدہ کو گھر میں کئی طرح کی مشکلات کا سامنا تھا۔ والد کا رویہ بھی ماں بیٹے کے ساتھ کچھ اچھا نہ تھا۔ لامحالہ اس کا برا اثر بچے پر پڑنا ہی تھا۔ بچپن کی محرومیوں کا ان کے مزارج پر برا اثر پڑا۔ وہ بچپن میں ہی اپنی پڑھائی سے لاپرواہ ہو گئے۔ مزاج بھی کافی شرارتی تھا، محلے کے بچوں میں اپنی شرارتوں کی وجہ سے کافی مقبول تھے۔ اور کھیل کود میں کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ ذہانت کی بدولت وہ بچپن ہی میں ہر خاص و عام میں مقبول تھے۔ پڑھائی میں عدم دلچسپی کے باعث ان کو تعلیمی میدان میں بار بار ناکامیوں کا سامنا کرنا

پڑا۔ ۱۹۳۲ء میں ابھی منٹو ایف اے بھی پاس نہ کر پائے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ منٹو کی والدہ کو اپنے دو بچوں ایک بیٹا اور ایک بیٹی کی پرورش میں مشکلات نے آ گھیرا۔ گھر میں افلاس کی وجہ سے منٹو بہت پریشان تھے۔ گھر کی حالت زار ان کو مایوسیوں کی اتھاہ میں لے گئی تو انہوں نے جوئے اور شراب میں پناہ لی۔ وہ ان علتوں کا شکار نوجوانی میں ہی ہو گئے۔

انہی ایام میں منٹو کی امرتسر میں ہی باری علیگ سے ملاقات ہوئی جو ترقی پسند رجانات کے مالک تھے۔ باری سے منٹو کی ملاقات دوستی میں بدل گئی۔ باری نے منٹو کی صلاحیتوں کو بھانپ کر ان کو لکھنے کی طرف مائل کیا۔ باری نے ان دنوں ''خلق'' کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ جاری کیا۔ منٹو نے ان کی تحریک پر جو پہلی کہانی لکھی وہ ان کے اپنے نام کی بجائے قلمی نام سے شائع ہوئی۔ اس ضمن میں منٹو لکھتے ہیں:

> ''میرا سب سے پہلا افسانہ طبع زاد ''تماشا'' کے عنوان سے ''خلق'' کے اسی شمارے میں شائع ہوا۔ میں نے اس پر اپنا نام نہیں دیا تھا۔ اس ڈر سے کہ لوگ مذاق اڑائیں گے۔''(۱)

منٹو نے اپنی افسانوں میں ایسے کردار پیش کئے جن کا تعلق عام انسانوں کی زندگی سے تھا۔ یہ کردار معاشرے کے دھتکارے ہوئے کردار تھے جن کا رہن سہن بہت معمولی تھا۔ اس بارے میں ڈاکٹر خواجہ زکریا لکھتے ہیں:

> ''وہ معاشرے کے ابنارمل کرداروں کو خصوصی طور پر قابل توجہ سمجھتا ہے۔ ان کی ذہنی اور نفسی کج رویوں کو ہمدردانہ انداز سے دیکھتا ہے اور انہیں مجرم سمجھنے کی بجائے ان کی انسانیت کو واضع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔''(۲)

منٹو عہد جدید کا آدمی تھا۔ ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ وہ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ جاتا اور اپنے خیالات چھوڑ آتا اور مشاہدات کو اپنے کرداروں کے ذریعے بیان کرتا۔ اس کی بصیرت کردار کے طور اطوار کو بھانپ لیتی اور پھر وہ بڑے فطری انداز میں ان کے بارے میں باتیں کیا چلا جاتا۔ ادھر منٹو کے ذہن میں موضوع آیا، وہیں اس نے اس کردار کو پالش کیا۔ ہاتھ میں کاغذ قلم پکڑا اور افسانہ تخلیق کر دیا۔ یہ سب اس کی بصیرت اور ذہنی وسعت کی وجہ سے ممکن ہوتا۔ منٹو فطرت سے بغاوت نہیں کرتا تھا بلکہ اس کو بیان کر دینے کے بعد سماجی طور پر اسے کئی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ قانون کی گرفت میں آ جاتا اور اسے مقدمات کا سامنا کرنا پڑتا۔

منٹو کے افسانوں کے موضوعات عام طور پر انسان کی روزمرہ زندگی سے متعلق ہوتے۔ وہ معاشرے میں ہونے والی سیاسی، سماجی، اخلاقی اور معاشی ناہمواریوں پر قلم اٹھاتا۔ منٹو کا افسانہ ''نیا قانون'' نچلے طبقے کے تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے۔ انسان جس طرح کا پیشہ اختیار کرتا ہے اسی کے مطابق اس کا ذہن بھی وسعت پاتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ایک ٹانگے کا کوچوان ہے۔ اس کردار کی زبانی منٹو نے گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ کوچوان کو چونکہ ہر روز نئے سے نئے لوگوں اور ہر طبقے کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ وہ ٹانگے میں

سفر کے دوران ان کی گفتگو سنتا ہے۔ اس لئے اس کے پاس ہر طبقے کے لوگوں کے بارے میں معلومات ہوتی ہیں۔ ہر سواری اپنے طبقے کے مطابق ہی گفتگو کرتی ہے۔ کوچوان منگو سواریوں کی گفتگو جب اپنی دوستوں سے شیئر کرتا ہے تو وہ اس کی معلومات سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ کبھی منگو سواریوں کی گفتگو میں خود بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اپنی وسیع معلومات کی وجہ سے وہ اپنے دوستوں سے زیادہ بہتر نظریات رکھتا ہے۔ اس کے ساتھی کئی بار اس کی گفتگو سن کر حیرت میں مبتلا ہو جاتے اور اس کی ''علمیت'' کی داد دیتے۔ اپنی فہم کے مطابق وہ اپنے ساتھیوں کے سوالات کے جوابات دیتا۔ ایک تانگے میں ہونے والی گفتگو میں اس نے سپین میں جنگ چھڑ جانے کے بارے میں سنا تو اپنے دوستوں سے ملتے ہی وہ ان معلومات کو اپنے دوستوں تک پہنچاتا ہے۔ اس ضمن میں ''نیا قانون'' سے ایک اقتباس:

> ''پچھلے دنوں جب استاد منگو نے اپنی ایک سواری سے سپین میں جنگ چھڑ جانے کی افواہ سنی تو اس نے گاما چودھری کے چوڑے کاندھے پر تھپکی دے کر مدبرانہ انداز میں پیش گوئی کی تھی، ''دیکھ لینا چودھری، تھوڑے ہی دنوں میں اسپین کے اندر جنگ چھڑ جائے گی۔'' اور جب گاما چودھری نے اس سے پوچھا کہ اسپین کہاں واقع ہے تو استاد منگو نے بڑی متانت سے جواب دیا ''ولایت میں، اور کہاں''۔ اسپین میں جنگ چھڑی اور جب ہر شخص کو اس کا پتہ چل گیا تو سٹیشن کے اڈے پر جتنے کوچوان حلقہ بنائے حقہ پی رہے تھے دل ہی دل میں استاد منگو کی بڑائی کا اعتراف کر رہے تھے۔ (۳)

''نیا قانون'' کی تخلیق کے زمانے میں ہندوستان میں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے۔ ایک دن استاد منگو کی ایک سواری ہندو مسلم فسادات پہ بات کر رہی تھی تو وہ بہت زیادہ جذباتی ہو گیا۔ اور بعد میں اپنے فہم کے مطابق وہ اپنے دوستوں کو بتانے لگا کہ یہ کسی درویش کی بد دعا کا نتیجہ ہے جس کا دل اکبر بادشاہ نے دکھایا تھا۔ ٹانگے کی سواریوں کی گفتگو کو وہ اپنی عقل کے ترازو میں تولتا۔ استاد منگو کے ٹانگے میں اکثر اوقات انگریز بھی سفر کرتے۔ وہ ان کے رویے سے بہت شاقی رہتا تھا۔ ''نیا قانون'' میں منٹو استاد منگو کی انگریزوں سے نفرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''استاد منگو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب وہ یہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ اس کے ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں۔ مگر اس کے تنفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اسے بہت ستایا کرتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے گویا وہ ایک ذلیل کتا ہے۔'' (۴)

منگو کوچوان انگریزوں سے بے حد تنگ تھا۔ ان کو دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسا

قانون آ جائے جس کے سبب انگریزوں سے ان کا چھٹکارہ ہو جائے۔ ایک روز کچہری سے اس کے ٹانگے میں سوار دو سواریوں کی گفتگو سن کر وہ خوشی سے نہال ہو گیا۔ اس نے سنا کہ ہندوستان میں نیا قانون نافذ ہونے والا ہے۔ دو مارواڑی جو کچہری سے اس کے تانگے میں سوار ہوئے تھے، وہ اپنے کسی مقدمے کی سلسلے میں کچہری آئے تھے، وہ تانگے میں بیٹھ کر گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو سن کر منگو کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ کیا ہر چیز بدل جائے گی؟ کیا بیاج کے بارے میں بھی کوئی قانون پاس ہوگا۔ ''نیا قانون'' کے ایک اقتباس کی روشنی میں افسانے کے مرکزی کردار استاد منگو کی خوشی کا اندازہ ہو سکتا ہے:

> ''ان مارواڑیوں کی بات چیت استاد منگو کے دل میں ناقابل بیان خوشی پیدا کر رہی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے کو ہمیشہ گالیاں دیتا اور چابک سے بہت بری طرح پیٹا کرتا تھا مگر اس روز وہ بار بار پیچھے مڑ کر مارواڑیوں کی طرف دیکھتا اور اپنی بڑھی ہوئی مونچھوں کے بال ایک انگلی سے بڑی صفائی کے ساتھ اونچے کر کے گھوڑے کی پیٹھ پر باگیں ڈھیلی کرتے ہوئے بڑے پیار سے کہتا ''چل بیٹا، چل بیٹا۔۔۔ ذرا ہوا سے باتیں کر کے دکھا دے''(۵)

کبھی برصغیر پاک و ہند سونے کی چڑیا کی حیثیت رکھتا تھا۔ مختلف یورپی اقوام جو ہندوستان کے مقابلے میں کئی لحاظ سے ترقی یافتہ تھیں، وہ تجارت کی غرض سے اس خطے میں آنے لگیں۔ ان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مقامی لوگوں کی مدد سے ہندوستان کے مختلف علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ انہیں پہلی کامیابی ۱۷۵۷ء میں بنگال میں نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر حاصل ہوئی اور سو سال میں یعنی ۱۸۵۷ء تک انہوں نے پورے علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اور نام نہاد مغلیہ سلطنت کا خاتمہ کر کے ملکہ وکٹوریہ کی حکومت قائم کر دی۔ اب انگریز ہندستان کے تمام وسائل کے بلا شرکت غیرے مالک بن گئے۔ ہر لحاظ سے انھوں نے ہندوستانیوں کی زندگی مشکل کر دی اور خصوصاً مسلمان ان کے عتاب کا نشانہ بنے۔

ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور مسلمان اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر انگریز کے دونوں ہی خلاف تھے۔ اور ان سے چھٹکارہ چاہتے تھے۔ کانگرس ہندوؤں کی نمائندہ جماعت تھی گو کہ اس میں کئی ایک مسلمان بھی شامل تھے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندگی کرتی تھی۔ یہ جماعتیں اپنے اپنے طور پر انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرتی رہیں۔ ہندوؤں کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے۔ جب جدوجہد آزادی کے نتیجے میں نظر آنے لگا کہ انگریز ہندوستان چھوڑ سکتا ہے تو اقلیت میں ہونے کے سبب مسلمانوں کو کئی ایک خدشات لاحق ہو گئے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد اکثریت میں ہونے کے سبب ہندوستان پر ہندوؤں کی حکومت بنے گی۔ اور مسلمانوں کی زندگی مشکل ہو جائے گی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے مسلمان لیڈروں نے ان بنیادوں پر سوچنا شروع کیا انگریز جانے سے پہلے ہندوستان کو تقسیم کر

دیں۔ اور مسلمانوں کے اکثریت والے علاقوں میں ان کی حکومت بنا دیں۔ اس سلسلے میں مسلم لیگ کے اجلاس ۱۹۳۰ء منعقدہ الہٰ آباد میں اقبالؒ کا خطبہ کافی اہمیت کا حامل ہے جو خطبہ الہٰ آباد کے نام سے موسوم ہے۔

ہندوستان کے سیاسی مسائل کے حل کیلئے انگریزوں کے کئی ایک وفود ہندوستان آتے رہے۔ انہی مسائل کے حل کے لئے لندن میں تین گول میز کانفرنسیں منعقد کی گئیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیڈروں کو ان کانفرنسوں میں بلایا گیا۔ تیسری گول میز کانفرنس ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء سے ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء تک جاری رہی۔ اس میں نہ تو ہندوؤں کے لیڈر من موہن گاندھی شریک ہوئے اور نہ ہی مسلمانوں کے لیڈر محمد علی جناح۔ اس طرح سے یہ اجلاس کسی بھی نتیجے پر پہنچے بغیر ہی ختم ہو گیا۔ ان کانفرنسوں کے نتیجے میں حکومت برطانیہ کے سامنے جو تجاویز آئیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے نئی اصلاحات نافذ کرنے کیلئے ایک قانون مرتب کیا گیا جسے گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا نام دیا گیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ارشد اویسی اپنے ایک مضمون گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء اور اسمبلی کی زبان (۱۹۳۷ء تا جون ۱۹۴۷ء) میں رقم طراز ہیں۔

> ''مکمل خود مختار اسمبلیوں کا ہر دلعزیز مطالبہ شدت پکڑتا گیا تو ہندوستان میں مختلف جماعتوں کے نمائندوں سے برطانوی حکومت نے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء کے دوران میں لندن میں گول میز کانفرنسیں منعقد کیں اور بعض دستوری اصلاحات کیں۔ یہ اصلاحات بعد میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء ء میں شامل کر لی گئیں۔ اس قانون نے صوبائی خود مختاری کو متعارف کرایا جو بلا شبہ حکومت کے زیر نگرانی تھی''۔(۶)

گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے منظور کر دیا۔ اس ایکٹ کے تحت ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کی منظوری تھی۔ یہ ایکٹ یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو نافذ کیا گیا۔ ہندوستان کے عوام کو اس قانون سے کئی امیدیں وابستہ تھیں مگر وقت اور حالات نے ثابت کیا کہ اس کا نہ تو پوری طرح نفاذ ہوا اور نہ ہی اس کا فائدہ ہندوستانی عوام کو پہنچا، خاص کر مسلمانوں کو۔ اس ایکٹ کے تحت نافذ کی جانے والی سکیم کا فائدہ ہندوؤں کو تھا کیونکہ وہ اکثریت میں تھے۔ گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے بعد ۱۹۳۶ء میں ہندوستان میں عام انتخابات ہوئے جس میں ہندوؤں کے اکثریت میں ہونے کے سبب انہیں ہی کامیابی ملی۔ ان کی حکومتیں قائم ہونے کے بعد اقلیتوں کو کئی ایک تحفظات درپیش تھے۔ خاص طور پر مسلمانوں پر ان کے مظالم بہت بڑھ گئے۔ جب یہ حکومتیں ختم ہوئیں تو مسلمانوں نے یوم نجات منایا۔

منٹو کے افسانے ''نیا قانون'' کو جب ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ایکٹ ہندوستانیوں کیلئے محض ایک سراب تھا جو ان کی زندگیوں میں تبدیلی نہ لا سکا۔ کچہری سے بیٹھنے والی سواریوں کی گفتگو سن کر افسانے کا مرکزی کردار استاد منگو نئے نافذ ہونے والے ایکٹ سے طرح طرح کی امیدیں دل و

دماغ میں بسالیتا ہے۔ اس ضمن میں ''نیا قانون'' سے ایک اقتباس:

> ''نئے قانون کے نفاذ کی خبر نے اس کو ایک نئی دنیا میں لا کھڑا کر دیا تھا۔ وہ اس نئے قانون کے متعلق جو پہلی اپریل کو ہندوستان میں نافذ ہونے والا تھا۔ اپنے دماغ کی تمام بتیاں روشن کر کے غور و فکر کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں مارواڑی کا یہ اندیشہ ''کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہوگا؟'' بار بار گونج رہا تھا اور اس کے تمام جسم میں مسرت کی ایک لہر دوڑا رہا تھا۔ کئی بار اپنی گھنی مونچھوں کے اندر ہنس کر اس نے ان مارواڑیوں کو گالی دی.... ''غریبوں کی کھٹیا میں گھسے کھٹمل، نیا قانون ان کیلئے کھولتا ہوا پانی ہوگا''۔(۷)

استاد منگو سے نئے قانون کے نفاذ کے متعلق خبر سن کر خوشی سنبھالے نہ سنبھلتی تھی۔ اس کو اپنی بات منانے کیلئے کوئی ساتھی بھی نہیں مل رہا تھا۔ وہ انگریزوں کو سفید چوہے کہتا تھا۔ آخر کار ایک ساتھی نتھو گنجا اس کو مل ہی گیا جس کے سامنے وہ بچوں کی سی خوشی کے ساتھ اپنی بات کا اظہار کرتا ہے۔ اس وقت وہ اتنا خوش ہے کہ اس نے روس میں قائم اشتراکی نظام کو گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ساتھ ملا دیا۔ ابو اللیث صدیقی اپنے ایک مضمون ''منٹو'' میں رقم طراز ہیں:

> ''منگو کوچوان جو سیاست دان اور لیڈر نہیں صرف ایک کوچوان ہے، انگریزوں سے نفرت کرتا ہے۔ اس لئے نفرت کرتا ہے کہ وہ ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں۔ طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں اور منگو کوچوان کو ستاتے ہیں۔ شرابی گوروں سے اس کا اکثر جھگڑا ہوتا ہے اور ایک روز منگو کوچوان کو خبر ملتی ہے کہ نیا قانون بننے والا ہے جس سے ہندوستان کو آزادی مل جائے گی.... نئے قانون کے نفاذ کا دن آ گیا اور استاد کے دل میں نئی امنگوں نے کروٹ لی۔ اب وہ گوروں سے نہیں ڈرے گا''۔(۸)

کئی دنوں تک منگو کوچوان کے تانگے کی سواریاں اس ایکٹ کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کے مطابق گفتگو کرتی ہیں۔ کچھ اس کے حق میں اور کچھ اس کے خلاف۔ ان لوگوں کی گفتگو نے اس کے دل میں اس آئین کی اہمیت اور بڑھا دی۔ وہ دن میں کئی بار اس کے بارے میں سوچتا۔ نیا قانون اس کیلئے کوئی چمکتی ہوئی چیز تھی۔ جس کا اس کو شدت سے انتظار تھا۔ یکم اپریل کا اس کو شدت سے انتظار تھا۔ اس ضمن میں ''نیا قانون'' سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> ''آخر کار مارچ کے اکتیس دن ختم ہو گئے اور اپریل کے شروع ہونے میں رات کے چند خاموش گھنٹے باقی رہ گئے۔ موسم خلاف معمول سرد تھا اور ہوا میں تازگی تھی۔ پہلی اپریل کو صبح سویرے استاد منگو اٹھا اور اصطبل میں جا کر تانگے میں گھوڑے کو جوتا اور باہر نکل گیا۔ اس کی طبیعت آج غیر معمولی طور پر مسرور تھی۔

وہ نئے قانون کو دیکھنے والا تھا''۔(۹)

منگو نئے قانون کے بارے میں جاننے کیلئے بے حد بے تاب تھا۔اس کو دن گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ایک سواری کو چھاؤنی میں پہنچا کر وہ نئے قانون کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک سواری نے اپنی طرف متوجہ کیا۔جب منگو نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ ایک گورا تھا۔وہ دلی طور پر اسے اپنے تانگے میں بٹھانا نہیں چاہتا تھا لیکن اس نے سوچا کیوں نہ اس کو بٹھا لیا جائے کچھ پیسے ہی وصول ہو جائیں گے۔جب استاد منگو کی نظریں گورے سے ملیں تو دونوں طرف نفرت کی گہری کھائیاں تھیں۔انگریز کے جملے سے وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ یہ وہی سواری ہے جس نے پچھلے سال بھی نشے کی حالت میں اس سے جھگڑا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے نظر انداز کر دیا تھا تاکہ کورٹ کچہری تک بات نہ پہنچے کیونکہ اس میں اس کا اپنا ہی نقصان تھا۔گورے کو کوئی فرق نہ پڑنے والا تھا۔استاد منگو نے گورے کو تانگے کا کرایہ پانچ روپے بتایا تو اسے حیرانی ہوئی۔اس کے علاوہ استاد منگو کا لب ولہجہ بھی اس کے ساتھ کافی سخت تھا۔

گورا خواہ مخواہ ایسا ماحول پیدا کر رہا تھا کہ استاد منگو کو سخت غصہ آ گیا۔گورا اپنی بید کی پالش شدہ چھڑی کی نوک استاد منگو کو چبھونے لگا اور بڑی رعونت سے وہ استاد منگو کو کہنے لگا کہ وہ تانگے سے نیچے اترے۔منگو کو سخت غصہ آ گیا اور وہ تانگے سے نیچے اتر کر گورے کو پیٹنے لگا۔گورا حیران کہ اس کالے کی اتنی جرأت استاد منگو گورے کو پیٹتے ہوئے کہتا جا رہا تھا کہ اب ہمارا راج ہے۔''نیا قانون'' سے ایک اقتباس:

> ''وہ گورے کو جی بھر کے پیٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ کہتا جاتا تھا'' پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں.... اب ہمارا راج ہے بچہ.... لوگ جمع ہو گئے اور پولیس کے دو سپاہیوں نے بڑی مشکل سے گورے کو استاد منگو کی گرفت سے چھڑوایا۔استاد منگو ان دو سپاہیوں کے درمیان کھڑا تھا۔اس کی چوڑی چھاتی پھولی ہوئی سانس کی وجہ سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا اور اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے حیرت زدہ مجمع کی طرف دیکھ کر وہ ہانپتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا'' وہ دن گزر گئے جب خلیل خان فاختہ اڑایا کرتے تھے۔اب نیا قانون ہے میاں۔نیا قانون۔''(۱۰)

انگریز چونکہ اس رویئے کے عادی نہ تھے۔اس لئے وہ گورا محو حیرت ہے کہ کیا ہو گیا ہے۔استاد منگو کو پولیس نے تھانے میں لے جا کر حوالات میں بند کر دیا۔وہ غصے اور جذبات کی رو میں بہہ کر نیا قانون، نیا قانون پکارتا ہے۔اس ضمن میں عبادت بریلوی اپنے ایک مضمون ''منٹو کی حقیقت نگاری'' میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''پہلی اپریل کو ہوا یہ کہ نیا قانون تو نافذ ہو گیا لیکن زندگی نہ بدل سکی۔نظام تبدیل نہ ہو سکا اور استاد منگو کو اس حقیقت کا احساس اس وقت ہوا جب چھاؤنی

میں ایک گورے کو پیٹنے کے سلسلے میں اسے جیل خانے کی ہوا کھانی پڑی۔ وہ سمجھتا تھا کہ نئے قانون کے تحت حالات بدل چکے ہیں۔اس لئے اپنے دل کی بھڑاس نکالی جا سکتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ پولیس آئی تو وہ نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہا لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور اس کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔''(۱۱)

لڑائی جھگڑے کی صورتحال دونوں فریقوں کیلئے حیرت کا باعث ہے۔ وقار عظیم اپنے ایک مضمون ''منٹو کا فن'' میں لکھتے ہیں:

''نیا قانون کے استاد منگو کے جذبات کی پہلی منزل تو وہ ہے جب وہ ہندوستان میں نافذ ہونے والے جدید آئین کی خبر سن کر خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور اس کا انجام یہ ہے کہ نیا قانون نافذ ہو جانے کے بعد بھی اسے ایک گورے سے لڑنے کے جرم میں حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے.... نیا قانون نافذ ہونے کی خبر سن کر منگو خاں کو جو خوشی ہوئی تھی اس کیلئے نئے قانون کے نافذ ہونے تک منٹو نے کئی ایسے مواقع پیدا کئے جن پر منگو خاں کی حالات دیکھ کر قاری برابر یہ اندازہ لگاتا رہتا ہے کہ اس کی مسرت آہستہ آہستہ وارفتگی و دیوانگی کا درجہ اختیار کر رہی ہے اور بالآخر جب وہ روز سعید آپہنچتا ہے تو اس کی مسرت و وارفتگی و دیوانگی، شوق آزادی کو مجسم دیکھنے کیلئے بے تاب نظر آنے لگتی ہے اور عین اس وقت اس وارفتگی شوق کو بظاہر اپنی تحصیل کا موقع مل جاتا ہے۔ اسے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے''۔(۱۲)

''نیا قانون'' کے بارے میں وقار عظیم لکھتے ہیں:

''منٹو نے جذبات، نفسیات اور فن کے رشتے جوڑے اور انہیں مضبوط بنانے میں ہمیشہ اپنی کہانیوں کے انجام سے کوئی نہ کوئی کام لیا ہے۔ نیا قانون کے خاتمہ میں استاد منگو خاں کو اس جذباتی شدت کا ایسا متضاد ردِ عمل ہے جس سے پڑھنے والے دل میں درد کی ایک ٹیس اٹھتی ہے''۔(۱۳)

ابواللیث صدیقی ''نیا قانون'' کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ ہماری سیاسی جدوجہد کے دور کا آئینہ دار ہے جس میں ہماری آرزوئیں اور امنگیں، تمنائیں اور ناکامیاں جھلکتی ہیں۔''(۱۴)

نیا قانون کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ انگریز نے ہندوستان کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے

1935ء میں جو قانون نافذ کیا۔ اس کا فائدہ ہندوستانیوں کو ہرگز نہ پہنچا۔ افسانے کے مرکزی کردار استاد منگو کے دل میں جو افواہیں آرزوئیں اور تمنائیں اس قانون کے نافذ ہونے کے سلسلے میں پیدا ہوئی تھیں۔ وہ اس کے انگریز سے لڑائی کے بعد جیل جانے پر ختم ہو گئیں۔ حقیقتاً اس ایکٹ کے نفاذ کا کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا۔ حاکم حاکم ہی تھا اور محکوم محکوم ہی رہا۔ محروم کی محرومیوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ ہندوستان میں جیسے اس قانون سے پہلے ہندو مسلم فسادات ہوئے تھے۔ اس کے نفاذ کے بعد بھی ہوتے رہے بلکہ مسلمانوں کو اس کا زیادہ نقصان ہوا۔ ہندوستان میں ہندو اکثریت میں تھے اور مسلمان اقلیت میں۔ اس لئے لامحالہ جب انتخابات ہوئے تو اکثریت کے سبب اس میں کامیابی ہندوؤں کو ملی۔ ان کی حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمانوں پر ان کے مظالم بہت زیادہ بڑھ گئے۔ آخر کار جب یہ حکومت ختم ہوئی تو مسلمانون نے یون نجات منایا۔ ''نیا قانون'' کے ذریعے منٹو نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے بارے میں بڑی تصویر کسی کی ہے کہ یہ قانون ہندوستانوں کی فلاح نہ کر سکا۔ اس کا فائدہ عام آدمی کو نہ پہنچا۔ ہندوستان کا غریب طبقے تک اس کے ثمرات نہ پہنچ سکے۔

حواشی:

(۱) سعادت حسن منٹو، منٹو نما، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۲۷

(۲) ضیا ساجد، مرتبہ، سعادت حسن منٹو، لاہور، قابل تحسین شمس قادری، س ن، ص ۲۷

(۳) سعادت حسن منٹو، منٹو راما، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص ۷۰۷

(۴) // // // ص ۷۰۸

(۵) // // //، ص ۷۱۰

(۶) ڈاکٹر محمد ارشد اویسی، مضمون گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء اور اسمبلی کی زبان (۱۹۳۷ء تا جون ۱۹۴۷ء) مشمولہ، زبان و ادب، جی سی یو فیصل آباد، جنوری تا جون ۲۰۰۹ء، ص ۶۲

(۷) سعادت حسن منٹو، منٹو راما، ص ۷۱۰، ۷۱۱

(۸) ابواللیث صدیقی نقوش، منٹو نمبر ۵۰، ۴۹ مرتبہ محمد طفیل، ص ۲۸۷، ۲۸۸

(۹) سعادت حسن منٹو، منٹو راما، ص ۷۱۳

(۱۰) سعادت حسن منٹو، منٹو راما، ص ۷۱۸، ۷۱۹

(۱۱) عبادت بریلوی، منٹو کی حقیقت نگاری، نقوش، منٹو نمبر، ص ۲۹۹

(۱۲) وقار عظیم، منٹو کا فن، نقوش، منٹو نمبر، ص، ۲۵۱

(۱۳) // // ، ص، ۲۴۹

(۱۴) ابواللیث صدیقی، نقوش، ص، ۲۸۸

مآخذ:

۱۔ ابواللیث صدیقی نقوش، منٹو نمبر ۵۰،۴۹ مرتبہ محمد طفیل۔

۲۔ سعادت حسن منٹو، منٹو راما، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء۔

۳۔ سعادت حسن منٹو، منٹو نما، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء۔

۴۔ ضیا ساجد، مرتبہ، سعادت حسن منٹو، لاہور، قابل تحسین شمس قادری، س ن۔

۵۔ عبادت بریلوی، منٹو کی حقیقت نگاری، نقوش، منٹو نمبر۔

۶۔ محمد ارشد اویسی، ڈاکٹر، مضمون گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء اور اسمبلی کی زبان (۱۹۳۷ء تا جون ۱۹۴۷ء) مشمولہ، زبان و ادب، جی سی یو فیصل آباد، جنوری تا جون ۲۰۰۹ء، ص، ۶۲

☆☆☆☆☆